© rasailojaraid.com

احکام شرعیہ کی تعداد، تعریفات اور مثالیں

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ
سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان

کل احکام شرعیہ گیارہ ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) سنت غیر مؤکدہ (۵) مستحب (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) اساءت (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) خلاف اولیٰ (۱۱) مباح

فرض کی تحقیق

فرض: وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو، اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کیا جائے یا احیاناً (کبھی کبھی) (ملخصاً رد المحتار ج ا ص ۱۸۶) اس کی مثال ہے نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور بہ شرط استطاعت حج کرنا۔

نماز اور زکوٰۃ کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور قرآن مجید قطعی الثبوت ہے اور اس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کا تارک عذاب کا مستحق ہے۔

الا اصحٰب الیمین o فی جنّٰت یتسآءلون o عن المجرمین o ما سلککم فی سقر o قالوا لم نک من المصلین o ولم نک نطعم المسکین o

© rasailojaraid.com

ترجمہ۔ جن کے دائیں ہاتھوں میں نوشتہ اعمال ہوگا۔ وہ جنتوں میں بیٹھے سوال کر رہے ہوں گے۔ مجرمین سے تم کو کس عمل نے دوزخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔ اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ (المدثر: ۴۴-۳۹)

واجب کی تحقیق

واجب: جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک کرنا لازماً منع ہو اور ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز ظنی ہو یعنی اس کا ثبوت قطعی ہو اور لزوم پر دلالت ظنی ہو یا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور اس کا ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً۔ (ملخصاً رد المحتار ج ا ص ۱۸۷)

جس واجب کا ثبوت قطعی اور لزوم پر دلالت ظنی ہو جیسے جماعت سے نماز پڑھنے کے وجوب پر یہ آیت دلالت کرتی ہے: وارکعوا مع الرکعین (البقرہ: ۴۳) اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، اس کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید کی یہ آیت قطعی ہے اور اس کی لزوم پر دلالت ظنی ہے کیونکہ رکوع کا معنی نماز پڑھنا بھی ہے اور رکوع کا معنی اللہ سے ڈرنا اور خشوع بھی ہے۔

اور جس واجب کا ثبوت ظنی ہو اور لزوم پر دلالت قطعی ہو جیسے نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے لیکن اس کا ثبوت ظنی ہے کیونکہ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۱۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷) تاہم یہ حدیث خبر واحد ہے اور اس کا ثبوت ظنی ہے لیکن اس کا لزوم قطعی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا سورہ فاتحہ کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

واجب کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جس کام کو نبی ﷺ نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کے تارک پر آپ نے انکار کیا ہو یا اس کے ترک پر وعید فرمائی ہو (البحر الرائق ج ا ص ۱۷، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹ بیروت) اس کی مثال بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے کیونکہ آپ نے بطور عبادت ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس کے ترک پر انکار اور وعید فرمائی ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم

© rasailojaraid.com

دوں، پھر نماز کا حکم دوں اس کے لیے اذان دی جائے، پھر کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر یہ دیکھوں جو نماز پڑھنے نہیں آئے تو میں ان کے اوپر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۱)

اس کی دوسری مثال ہے کہ شخص داڑھی رکھنا واجب ہے آپ نے ہمیشہ داڑھی رکھی اور منڈوانے پر انکار فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مجوسی آیا اس نے اپنی داڑھی مونڈی ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارے دین میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کریں اور داڑھی بڑھائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۶ھ)

نبی ﷺ نے داڑھی منڈوانے پر انکار فرمایا ہے، قبضہ سے کم مقدار داڑھی رکھنے پر انکار نہیں فرمایا اس لئے قبضہ تک داڑھی رکھنا واجب نہیں ہے لیکن اتنی داڑھی رکھنا ضروری ہے جس پر بغیر کسی قید کے داڑھی کا اطلاق ہو سکے، خشخشی داڑھی رکھنے یا فرنچ کٹ داڑھی رکھنے سے داڑھی رکھنے کے حکم پر عمل نہیں ہوتا اور نبی ﷺ دراز گردن تھے اور آپ کی داڑھی مبارک سینہ کے ابتدائی حصہ کو بھر لیتی تھی اس لئے آپ کی سنت صرف قبضہ تک داڑھی رکھنا نہیں ہے بلکہ قبضہ سے زائد ہے یا ڈیڑھ یا دو قبضہ کے برابر، پس آپ کی محبت اور سنت کا تقاضا یہ ہے کہ قبضہ سے زائد داڑھی رکھی جائے اور فقہا کی عبارات میں جو مذکور ہے کہ قبضہ بھر داڑھی سنت ہے اس سے مراد آپ کی سنت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے داڑھی کا معروف طریقہ اور مسلمانوں کا چلن۔

سنت مؤکدہ کی تحقیق

جس فعل کو نبی ﷺ نے بطور عبادت دائماً کیا ہو اور اس کو ترک کرنے پر انکار نہ فرمایا ہو یا آپ نے اس فعل کو اکثر اوقات بطور عبادت کیا ہو، اس کا ترک اساءت ہے یعنی برا کام جو شخص سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرے وہ مستحق عذاب ہے اور جو اس کو احیاناً ترک کرے وہ مستحق ملامت ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمنی نے سنت کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام نبی ﷺ کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور وہ کام واجب یا مستحب نہ ہو لیکن یہ مطلق سنت کی تعریف ہے اور سنت مؤکدہ کی یہ شرط ہے کہ آپ نے اس پر دوام کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو خواہ ترک حکماً ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جس فعل پر نبی ﷺ یا آپ کے بعد خلفاء راشدین نے دائماً عمل کیا ہو اور اس کو ترک کرنے سے منع فرمایا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے ورنہ مستحب اور نفل ہے اور سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت الھدیٰ ہے اس کا ترک کراہیت اور اساءت کو واجب کرتا ہے جیسے جماعت اذان اور اقامت اور دوسری سنۃ الزوائد ہے جیسے نبی ﷺ کی لباس پہننے، کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں سیرت، اس کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سنت مؤکدہ کی مثال صبح و شام کے فرائض کے ساتھ بارہ رکعات نمازیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک دن اور رات میں بارہ رکعات نمازیں پڑھیں اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا چار رکعات ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد، اور دو رکعت صلاۃ فجر سے پہلے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۵۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۷۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۳، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۴۳۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۳۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۱، المستدرک ج ۱ ص ۳۱۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۳)

علامہ ابراہیم حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں: جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعات بھی سنت مؤکدہ ہیں۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۸۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳۲)

اور جمعہ سے پہلے چار رکعت پر دلیل یہ حدیث ہے:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے ابو اسحاق نے کہا کہ حضرت علی جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۷، مطبوعہ بیروت، ۱۳۹۰ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چار رکعت سنت مؤکدہ میں پہلے قعدہ میں صرف تشہد پڑھے اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء نہ پڑھے اور آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود اور دعا بھی پڑھے۔ (مراقی الفلاح ص ۳۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص ان سنتوں کا استخفاف کرے اور کہے کہ میں یہ نہیں پڑھتا تو اس کی تکفیر کی جائے گی، نوازل میں مذکور ہے جو شخص پانچ نمازوں کی سنتیں نہ پڑھے اور ان کو حق نہ جانے اس کی تکفیر کی جائے گی اور اگر کوئی شخص ان سنتوں کو برحق جانے اور نہ پڑھے تو ایک قول ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ اس کے ترک پر وعید ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں ہے کہ سنت مؤکدہ کے ترک پر ملامت ہے عذاب نہیں ہے۔ لیکن تلویح میں ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے اس سے وہ شفاعت سے محرومی کا مستحق ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے: جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ میری شفاعت کو نہیں پائے گا، اور ابن ہمام کی تحریر میں مذکور ہے ان سنتوں کا تارک گمراہ قرار دیئے جانے اور ملامت کا مستحق ہے اور ترک سے مراد یہ ہے کہ جو بلا عذر ترک کرے اور اس ترک پر اصرار کرے جیسا کہ تحریر کی شرح میں ابن امیر الحاج نے لکھا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۹۸-۱۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی تحقیق

سنت غیر مؤکدہ، جس فعل کو نبی ﷺ نے بعض اوقات کیا ہو، اس کو دائماً ترک کرنے پر ملامت کا استحقاق ہے اور احیاناً ترک کرنے پر ملامت نہیں ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سنت وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے دائمی عمل کیا ہو، لیکن اگر اس کو کبھی ترک نہ کیا ہو تو وہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر اس کو کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اگر آپ نے اس پر دائمی عمل کیا ہو اور ترک کرنے والے پر انکار بھی کیا ہو تو وہ وجوب کی دلیل ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

سنت غیر مؤکدہ کی مثال عصر سے پہلے کی چار رکعت ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۴۵۳)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ نے لکھا ہے کہ عشاء سے پہلے چار رکعت میں کوئی خصوصی حدیث نہیں ہے اس لئے ان کو مستحب لکھا ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۵۰، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ)

علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے لکھا ہے کہ چار رکعت سنت غیر مؤکدہ کے ہر دوگانہ کی ابتداء میں ثناء، بسم اللہ، اعوذ باللہ اور تشہد کے بعد نبی ﷺ پر صلوٰۃ پڑھی جائے گی۔ (مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص ۳۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

مستحب کی تحقیق

مستحب: یہ وہ فعل ہے جس کا ثبوت بھی ظنی ہو اور اس کی دلالت بھی ظنی ہو جیسے وضو میں دائیں عضو کو پہلے دھونا، وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، مسجد میں جاتے وقت پہلے دایاں پیر داخل کرنا اور آتے وقت بایاں پیر پہلے باہر نکالنا، چاشت اور اشراق کے نوافل، ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اور تحیۃ المسجد پڑھنا وغیرہ اس کا فعل موجب ثواب ہے اور اس کے ترک پر عذاب ہے نہ ملامت خواہ وہ دائماً ترک ہو یا احیاناً۔ (ملخصاً رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۶) حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تو دائیں اعضاء سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے اور جب کنگھی کرتے تو دائیں جانب سے کنگھی کی ابتداء پسند فرماتے، اور جب جوتی پہنتے تو دائیں پیر سے ابتداء کو پسند فرماتے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مستحب کام کو لازم نہیں کر لینا چاہیے اور جو مستحب کام کو نہ کرے اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مستحب کام کو لازم کر لینا اور اس کے ترک پر ملامت کرنا اس مستحب کو واجب بنا دینا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو بدلنا ہے اور احداث فی الدین ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیطان کا حصہ نہ بنائے اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ نماز پوری کرنے کے بعد دائیں طرف ہی مڑ کر بیٹھے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کتنی بار بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳۰)

نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف مڑ کر بیٹھنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو لازم سمجھ لیتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن اس کو لازم سمجھنا بدعت سیۂ ہے اور واضح رہے کہ رسول اللہ کی سنت سیاہ رنگ کا عمامہ ہے۔

حرام کی تحقیق

حرام: وہ کام جس کا ترک کرنا ضروری ہو اور اس کو کرنا لازماً ممنوع ہو اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اس کا انکار کفر ہو اور اس کام کو کرنے والا عذاب کا مستحق ہو خواہ وہ دائماً اس کام کو کرے یا احیاناً اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

اس کی مثال ہے یتیم کا مال ظلماً کھانا، اس کی ممانعت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کی ممانعت کا ثبوت ہے اور ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ اس کے مرتکب پر عذاب کی وعید ہے قرآن مجید میں ہے۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ط
وسیصلون سعیرا o

ترجمہ: بے شک جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (النساء: ۱۰)

اس کی دوسری مثال ہے زنا کرنا، اس کی ممانعت کا ثبوت قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة ط وساء سبیلا o

ترجمہ: اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۷)

اس کی ممانعت کے لزوم پر دلالت بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة o

ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (النور: ۲)

اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کر دیا جائے گا یہ تواتر سے

© rasailojaraid.com

ہے اور تواتر بھی دلیل قطعی ہے۔

مکروہ تحریمی کی تحقیق

مکروہ تحریمی: جس کام کو ترک کرنا ضروری ہو اور اس کام کو کرنا لازماً ممنوع ہو اور اس کے کرنے پر عذاب کی وعید ہو اور اس کی ممانعت کے ثبوت یا لزوم پر دلالت دونوں میں سے ایک ظنی ہو اور اس کا انکار کفر نہ ہو اور کام کو کرنے والا عذاب اور ملامت کا مستحق ہو خواہ دائماً ترک کرے یا احیاناً تاہم اس کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۱۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر سنت مؤکدہ قویہ ہو (قریب بہ وجوب جیسے نماز فجر کی سنتیں) تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

فقہاء جب مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل میں غور کرنا ضروری ہے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو اور ممانعت کے خلاف پر کوئی قرینہ نہ ہو (مثلاً حضور کا اس کام کو کرنا) تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر کراہیت کی دلیل میں کوئی ممانعت نہ ہو بلکہ وہ دلیل اس فعل کو ترک کرنے کی مفید ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹، مطبوعہ کوئٹہ)

اس کی مثال ہے جیسے بغیر عذر کے باجماعت نماز کو ترک کرنا، یا سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا یا چاندی کے زیورات پہننا، کیونکہ ان چیزوں کی ممانعت احادیث میں آئی ہے اور وہ اخبار احاد ہیں اور ظنی ہیں:

حضرت ام سلمہ نبی ﷺ کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتنوں میں پانی پیتا ہے اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ گڑگڑاتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا اور ریشم کے کپڑوں کو پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۳۱)

© rasailojaraid.com

اسامت کی تحقیق

اسامت: یہ سنت مؤکدہ کو دائماً ترک کرنا اور اس پر اصرار کرنا ہے اور یا دائماً سنت مؤکدہ کے خلاف کام کرنا ہے، اس پر دوام کرنا موجب استحقاق عذاب ہے اور احیاناً کرنا موجب استحقاق ملامت ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نماز میں سنت کو ترک کرنا نماز کے فساد یا سجدہ سہو کو واجب نہیں کرتا بلکہ اسامت کو واجب کرتا ہے (اس کے برخلاف فرض کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور واجب کو ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ شامی) بہ شرطیکہ عمداً سنت کو ترک کیا جائے (اور اگر بغیر عمد کے بھولے سے سنت کو ترک کیا تو پھر یہ اسامت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں نماز کو دہرا لینا مستحب ہے۔ (شامی) اور سنت کو ترک کرنے والا سنت کے استخفاف (سنت کو کم یا معمولی چیز سمجھے) کی نیت سے اس کو ترک نہ کرے (اور اگر اس نے سنت کے استخفاف کی نیت سے سنت کو ترک کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ سنت کو حق نہ سمجھنا بھی سنت کا استخفاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت ان احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے جن کے مشروع ہونے پر علماء دین کا اتفاق ہے اور جو شخص سنت کو کوئی ثابت چیز نہ سمجھے اور دین میں معتبر نہ سمجھے تو وہ سنت کا استخفاف کرتا ہے اور سنت کا استخفاف اور اس کی توہین کفر ہے۔ شامی) اور فقہا نے کہا اسامت، کراہت سے کم درجہ کا حکم ہے۔ (الدار المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۱۵۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تحقیق یہی ہے کہ اسامت کراہت سے کم ہے یہی التقریر الاکمل میں مذکور ہے لیکن ابن نجیم نے شرح المنار میں یہ تصریح کی ہے کہ اسامت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے اور تحریر میں مذکور ہے کہ سنت کا تارک اسامت کا مستحق ہے یعنی گمراہ قرار دیے جانے اور ملامت کا اور ان عبارات میں اس طرح موافقت ہے کہ تحریر میں جو مذکور ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور شرح المنار میں جو مذکور ہے کہ اسامت کراہت سے زیادہ سنگین اور بری چیز ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے، پس اسامت مکروہ تحریمی سے کم درجہ کی چیز ہے اور مکروہ تنزیہی سے بڑے درجہ کی چیز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول ابی الیسر میں مذکور ہے کہ سنت پر عمل کرنا مستحب ہے اور اس کے ترک کرنے پر ملامت کی جائے گی اور تھوڑا سا گناہ ہوگا اسی وجہ سے البحر الرائق میں مذکور ہے کہ فقہا کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ [illegible]

مؤکدہ کے ترک کرنے سے ہوتا ہے کیونکہ فقہا نے یہ تصریح کی ہے کہ پانچ وقت کی نمازوں کی سنتوں کو ترک کرنا گناہ ہے اور انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جماعت کو ترک کرنا گناہ ہے، حالانکہ صحیح قول کے مطابق جماعت بھی سنت مؤکدہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض گناہ بعض گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں پس سنت مؤکدہ کے ترک کا گناہ واجب کو ترک کرنے کے گناہ سے کم ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی سنت مؤکدہ کے ترک کرنے سے گناہ ہوگا اور شرح التحریر میں یہ لکھا ہے کہ اساءت، سنت مؤکدہ کو بلا عذر دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے، اسی طرح الخلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک بار اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا تو حرج نہیں اور اگر اس کو عادت بنا لیا تو گناہ گار ہوگا اسی طرح الکشف میں مذکور ہے کہ امام محمد نے کہا جو سنت مؤکدہ کے ترک پر اصرار کرے اس سے قتال کیا جائے گا، اور امام ابو یوسف نے کہا اس کو تعزیر دی جائے گی اس سے متعین ہو گیا کہ اسامت کی تعریف میں جو سنت کو ترک کرنا لکھا ہے اس سے مراد سنت مؤکدہ کو دوام اور اصرار کے ساتھ ترک کرنا ہے تاکہ فقہا کی عبارات میں تطبیق ہو۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مکروہ تنزیہی کی تحقیق

مکروہ تنزیہی: یہ وہ کام ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا پھر خود اس کام کو کیا ہو پس منع فرمانا کراہت تنزیہ پر دلالت کرتا ہے اور عمل فرمانا اس کے بیان جواز پر۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیئے قتادہ نے پوچھا اور کھڑے ہو کر کھانا، انہوں نے کہا وہ تو اس سے زیادہ برا اور خبیث ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ڈول سے زمزم کا پانی پلایا اور آپ نے کھڑے ہو کر وہ پانی پیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ نبی ﷺ نے یہ فعل کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے ہے اور آپ کا فعل مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ پر بیان کرنا واجب ہے، تو یہ کیسے مکروہ ہوگا اور یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا اور آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ تین تین بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعضاء وضو کو دھونا اور پیدل چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرنا زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہے اور اس کی نظائر بے شمار ہیں پس نبی ﷺ کبھی کسی ممنوع کام کو کر کے اس کے بیان جواز پر متنبہ کرتے اور دائمی طور پر افضل عمل کو کرتے تھے، اسی طرح آپ اکثر اوقات تین تین بار اعضاء کو دھوتے تھے اور اکثر اوقات بیٹھ کر پانی پیتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا ہمارے اعتبار سے مکروہ ہے اور آپ کے اعتبار سے مکروہ نہیں ہے بلکہ اس پر آپ کو فرض کا ثواب ملے گا کیونکہ احکام شرعیہ کو بیان کرنا اور امت کے عمل کے لئے نمونہ فراہم کرنا آپ پر فرض ہے۔ (شرح م للنووی ج ۹ ص ۵۵۳۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ہم نے بیان کیا ہے کہ حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب مطلقاً گناہ نہیں ہے نہ ہی کبیرہ نہ صغیرہ اور جس طرح مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی اسی طرح مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر بھی ملامت نہیں کی جاتی علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کا ترک مکروہ تنزیہی ہے (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۳) نیز لکھا ہے کہ مستحب کے فعل پر ثواب ہوتا ہے اور اس کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۲۱) خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کا گناہ ہونا تو درکنار اس کے ارتکاب پر ملامت بھی نہیں کی جاتی۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر عتاب نہیں ہوتا اور اس کے ترک پر ثواب ہوتا ہے۔ (تلویح مع التوضیح ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہے تو بیان جواز کے کیا معنی؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے کہ جیسا کہ شرح رد المحتار میں ابو سعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ (فتاوی رضویہ ج ۹ ص ۳۵۰-۳۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، اپریل ۱۹۹۶ء)

علامہ شامی لکھتے ہیں: مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱۰ ص ۴۲ طبع ۱۴۱۷ھ)

خلاف اولیٰ کی تحقیق

خلاف اولیٰ: یہ وہ کام ہے جس کی ممانعت میں حدیث نہ ہو اور یہ کام مستحب کے خلاف ہو اس کے ترک پر ثواب ہے اور اس کے فعل پر نہ عذاب ہے نہ ملامت، خواہ یہ فعل دائماً کیا جائے یا احیاناً اس میں اور مکروہ تنزیہی میں خفیف سا فرق ہے، مکروہ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو اور خلاف اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو یا مستحب کام کو ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق میں یہ تصریح ہے کہ مستحب کے ترک سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ کراہت تنزیہیہ کے ثبوت کے لئے خصوصی دلیل ضروری ہے اور اس کی طرف تحریر ابن ہمام میں اشارہ ہے کہ خلاف اولیٰ وہ کام ہے جس میں ممانعت کا صیغہ نہ ہو بہ خلاف مکروہ تنزیہی، اور ظاہر یہ ہے کہ خلاف اولیٰ عام ہے پس ہر مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے لیکن ہر خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا کیونکہ اس پر خصوصی دلیل نہیں ہوتی جیسے چاشت کی نماز ترک کرنا اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مستحب کو ترک کرنا خلاف اولیٰ کی طرف راجع ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ تنزیہی ہو کیونکہ مکروہ تنزیہی وہ کام ہے جس کی خصوصیت سے ممانعت ہو کیونکہ کراہت ایک حکم شرعی ہے اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلیل ضروری ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ء)

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی وہ کام ہے جس کی ممانعت حدیث میں وارد ہو اور اس کا بیان جواز رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہو، جیسے کھڑے ہو کر پانی پینا اور خلاف اولیٰ وہ کام ہے جو مستحب کے خلاف ہو جیسے مسجد میں پہلے بایاں پیر رکھنا یا جس کام میں مستحب کا ترک ہو جیسے وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنا۔

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ جب سنت مؤکدہ قویہ ہو (جیسے دو رکعت سنت فجر) تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس کا ترک کرنا مکروہ تحریمی ہو جیسے ترک واجب مکروہ تحریمی ہے اس کا ترک کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر سنت غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کوئی کام مستحب ہو یا مندوب (مطلوب) ہو یا سنت نہ ہو تو پھر چاہیے کہ اس کا ترک بالکل مکروہ نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اور قربانی کر کے اس کے گوشت سے کھائے اور اگر اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قربانی کے گوشت کے علاوہ کسی اور چیز کو کھالیا تو یہ مکروہ نہیں ہے لہٰذا مستحب کے ترک سے مکروہ کا ثبوت لازم نہیں آتا البتہ اس پر یہ اشکال ہے کہ فقہا نے یہ کہا ہے کہ مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترک مستحب خلاف اولیٰ ہے (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲، مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ)

میرے نزدیک اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ کی طرف رجوع کرنا اور چیز ہے اور مکروہ تنزیہی کا خلاف اولیٰ ہونا ایک الگ چیز ہے اور مجازاً اور توسعاً ایک مقابل کا دوسرے مقابل پر اطلاق ہو جاتا ہے جیسے فرض پر واجب کا اطلاق کر دیتے ہیں اور مکروہ تحریمی پر حرام کا اطلاق کر دیتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرض اور واجب میں اور حرام اور مکروہ تحریمی میں کوئی فرق نہ ہو اس لئے اگر فقہا مکروہ تنزیہی پر خلاف اولیٰ کا اطلاق کر دیتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں کوئی فرق نہ ہو۔

مباح کی تحقیق

ہم نے بیان کیا ہے کہ پانچ ایسے احکام ہیں جن کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہے جیسے فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ اور مستحب اور پانچ ایسے افعال ہیں جن کا تعلق فعل کی ممانعت کے ساتھ ہے جیسے حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ اور جس حکم کا تعلق فعل کی طلب کے ساتھ ہو اور نہ فعل کی ممانعت کے ساتھ ہو وہ مباح ہے۔

مباح وہ کام ہے جس میں فعل اور ترک فعل دونوں مساوی ہوں اور کسی ایک کی دوسرے پر ترجیح نہ ہو، کبھی کسی کام کا مباح ہونا منصوص ہوتا ہے اور کبھی اس کی اباحت پر صاف تصریح نہیں ہوتی بلکہ جس فعل کی شریعت میں طلب یا ممانعت نہ ہو وہ مباح ہوتا ہے، جن کی اباحت منصوص ہے ان کی بعض مثالیں یہ ہیں:

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تا کلوا من بیوتکم او بیوت اٰبآئکم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعما مکم او بیوت عماتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خلٰتکم او ما ملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتاً۔

نابینا پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں

سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ اور اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر ایک ساتھ کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ (النور: ۶۱)

اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ صحابہ کرام جہاد کے لئے جاتے وقت اپنے گھروں کی چابیاں ان معذور لوگوں کو دے جاتے تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے اور انہیں اپنے گھروں کی چیزیں کھانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے لیکن یہ معذور صحابہ ان کی اجازت کے باوجود مالکوں کی غیر موجودگی میں انکی چیزوں کو کھانا گناہ سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان مذکورہ لوگوں کے لئے اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں ان گھروں سے کھانے پینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تندرست صحابہ بیمار اور معذور صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ وہ خود زیادہ کھالیں گے اور یہ بیمار اور معذور کم کھائیں گے اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں کہیں ان پر ظلم نہ ہو جائے اس طرح خود معذور صحابہ بھی صحت مند صحابہ کے ساتھ کھانا اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ تندرست صحابہ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس کریں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔

فقہا نے یہ تصریح کی ہے کہ اس آیت میں جو رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب وہ عام کھانا ہو اور انکے کھانے سے اصل مالکوں کو ناگواری نہ ہو اور ان کی طبیعت پر بوجھ نہ ہو، البتہ ایسی لذیذ اور قیمتی چیزیں جو مالکوں نے خصوصیت سے الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی ان پر نظر نہ پڑے ان کو نکال کر کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر ذخیرہ شدہ چیزیں ان کو بھی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کہ کسی کے فرج سے کچھ نکال کر کھانا اسی حکم میں ہے۔ اور بیٹوں کے گھر باپوں کے اپنے گھر ہیں سو باپوں کا اپنے بیٹوں کے گھر سے کھانا مطلقاً جائز ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے حلال اور پاکیزہ کھانا وہ ہے جس کو تم اپنی کمائی سے کھاؤ اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں سے ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۱، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: [illegible] ص ۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۸۰-۴۷۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال کھانا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۰۴، ۱۷۹)

اباحت کی تصریح کی دوسری مثال یہ آیت ہے:

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم

(اگر تم سفر حج میں) تجارت کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(البقرہ: ۱۹۸)

فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ۔

اگر تم دونوں (میاں بیوی) کو یہ خطرہ ہو کہ تم اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکو گے تو تم دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ بیوی شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کو کچھ دے ڈالے (یعنی خلع کرلے)۔

(البقرہ: ۲۲۹)

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔

پھر جب وہ بیوہ عورتوں کی عدت ختم ہو جائے تو وہ رواج کے مطابق جو اپنی زیب و زینت کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۲۳۴)

اس آیت میں عدت ختم ہونے کے بعد سوگ ختم کرنے اور بیوہ کے عقد ثانی کی اباحت ہے۔

ولا جناح علیکم فیما عرضتم من خطبۃ النسآء او کننتم فی انفسکم۔

اگر تم دوران عدت عورتوں سے اشارہ کنایہ سے منگنی کا پیغام دو یا اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۲۳۵)

یہ چند مثالیں ہیں جن میں مباح کی تصریح کی گئی ہے ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث میں اور بہت مثالیں ہیں۔ اور جن کاموں کی اباحت کی تصریح نہیں ہے وہ اس حدیث سے مستنبط قاعدہ میں داخل ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے گھی، پنیر اور جنگلی گدھے کو کھانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس کے متعلق اللہ نے سکوت فرمایا

وہ معاف ہے (یعنی مباح ہے)۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۶۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۴، المستدرک ج ۴ ص ۱۱۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲، المسند الجامع رقم الحدیث: ۴۸۵۵)

اس حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جب کسی چیز کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ اپنی اصل کے مطابق مباح ہے، علماء اہل سنت نے میلاد شریف، سوئم، چہلم اور عرس وغیرہ کے جواز پر اسی حدیث اور اسی قاعدہ سے استدلال کیا ہے۔

ہر مباح مستحب کے ضمن میں متحقق ہوگا یا مکروہ کے ضمن میں

مباح کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے کہ اس پر کوئی ثواب اور عقاب نہیں لیکن اس کا تعلق بھی نیت کے ساتھ ہے مثلاً رات کو سونا مباح ہے لیکن اگر آدمی اس نیت سے سوئے کہ وہ رات کے دو تہائی حصہ میں سو کر بقیہ ایک تہائی میں تہجد پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے گا، یا اس نیت سے سوئے کہ دن کو عبادت کی مشقت یا تبلیغ دین اور کتب دینیہ کی تدریس، دینی تصنیف و تالیف سے جو تھکاوٹ ہوتی ہے رات کو آرام کر کے اس تھکاوٹ کو زائل کرے گا تا کہ صبح کو تر و تازہ ہو کر پھر دینی خدمات کرے یا اپنی اور اہل عیال کی ضروریات پوری کرنے اور رزق حلال کے لئے کمائی کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے رات کو سو کر اس تھکاوٹ کو دور کرے گا تا کہ صبح پھر تازہ دم ہو کر رزق حلال کی طلب کی جد و جہد میں مصروف ہو تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے اور اگر اس نیت سے رات کو آرام کرتا ہے کہ دن بھر گانے بجانے یا ناچنے اور اداکاری اور صداکاری کرنے یا فوٹو گرافری کرنے یا داڑھیاں مونڈنے یا سمگلنگ کرنے، جعلی ادویات اور نقلی اشیاء فروخت کرنے، ناجائز بھتے جمع کرنے، ڈاکے ڈالنے، لوٹ مار کرنے، قتل و غارت گری کرنے اور تخریب کاری کرنے سے جو تھکاوٹ ہوئی ہے اس کو زائل کر کے صبح پھر نئی توانائی سے ان ناجائز دھندوں پر لگ جائے گا تو اس کا سونا بھی گناہ اور باعث عذاب ہے۔

اسی طرح عمدہ اور لذیذ کھانے کھانا بھی مباح ہے لیکن یہ کھانا اگر اس نیت سے ہو کہ اس کھانے سے جو طاقت حاصل ہوگی اس کو نیک کاموں میں صرف کرے گا تو اس کا کھانا بھی عبادت ہے اور کار ثواب ہے اور اگر یہ کھانا اس نیت سے ہو کہ اس سے جو طاقت حاصل ہوگی اس کو برائی کے راستہ میں خرچ کرے گا تو اس کا کھانا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے اسی طرح قیمتی اور خوب صورت لباس پہننا مباح ہے لیکن اگر اس نیت سے قیمتی کپڑے پہنے کہ اللہ کی نعمت کا اظہار ہو لوگ اس کو برے حال میں دیکھتے ہیں تو اس کی غیبت بدگوئی کرتے ہیں وہ اچھے کپڑے پہن کر ان کو غیبت اور بدگوئی سے بچاتا ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا قیمتی اور خوب صورت کپڑے پہننا بھی عبادت ہے اور اگر وہ قیمتی کپڑے اپنی برتری کے اظہار اور تکبر کرنے اور اترانے کے لئے یا پرائی عورتوں کے لبھانے کے لئے پہنے تو اس کا قیمتی کپڑے پہننا بھی گناہ ہے اور باعث عذاب ہے۔

غرض ہر مباح کام کے دو پہلو ہیں اگر وہ نیک نیت سے ہو تو وہ مستحب اور سنت ہے اور اگر وہ مباح کام برائی کی نیت سے ہو تو مکروہ یا حرام ہے اس لئے محققین نے کہا ہے کہ مباح الگ سے کوئی حکم شرعی نہیں ہے وہ ان ہی دس قسموں میں سے کوئی ایک قسم بن جاتا ہے اور مومن کامل کا کوئی فعل مباح نہیں ہوتا ہر فعل مستحب یا سنت ہوتا ہے اور فاسق اور بدچلن کا بھی کوئی فعل مباح نہیں ہوتا اس کا ہر فعل مکروہ یا حرام ہوتا ہے۔ احکام شرعیہ کی تعداد، انکی تعریفات انکے احکام انکی مثالیں اور ان کے دلائل پر ہم نے بہت مفصل گفتگو کی ہے اور شاید کہ قارئین کرام کو احکام شرعیہ کی اس قدر تفصیل اور تحقیق کسی اور جگہ نہیں مل سکے گی۔

مقالہ نگاروں کے لئے خصوصی ہدایات واطلاعات

۱۔ مقالات علمی، فکری اور تحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔
۲۔ مقالات فل اسکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے صرف ایک طرف، خوش خطی سے لکھے جائیں۔
۳۔ کمپوزڈ مقالے مع سی ڈی کے قابل ترجیح ہوں گے۔
۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالہ کی اصل کاپی کے ساتھ دو عدد نقول بھی ارسال فرمائیں۔
۵۔ تمام مقالات ریفریز کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیئے جائیں گے۔
۶۔ مقالہ نگار حضرت پہلے سے شائع شدہ مضامین ومقالات ہرگز نہ بھیجیں ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت، آئندہ کے لئے روک دی جائی گی۔

خصوصی نوٹ:

مجلس تفسیر بعض نامور علماء اور مشاہیر اساتذہ کے جو علمی فکری اور تحقیقی مضامین انتخاب کر کے شائع کرتی ہے۔ وہ دراصل علمی ودینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس تفسیر سمجھتی ہے کہ نئے مگر غیر معیاری مضامین ومقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیئے جائیں۔ ہمارے اس جذبہ کو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (انڈیا) نے اپنی مئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں سراہا ہے۔ مجلس اس تعریف پر ان کی شکر گزار ہے۔

بیمار قوم اور اسکا علاج

علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی
سابق شیخ الادب، جامعہ اسلامیہ بہاولپور
سابق پرنسپل، علیمیہ انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، کراچی

امت مرحومہ جو خیر الامم ہے عقیدہ توحید کی امین ہے اس امانت داری کی رعایت سے شہیر الامم اور امتار عالم سے ملقب ہے چنانچہ اس گروہ امین کے آقا و مولی کا ایک لقب رسول امین ہے اور اللہ و رسول کے مابین پیغام رساں کا نام وخطاب جبریل امین ہے اور کعبہ عبادت کا محل وقوع بلد امین ہے۔ الغرض امت مسلمہ اپنی صفات، سرمایہ اور وسائل کے لحاظ سے امین ہے خیانت وغدر کا یہاں گذر نہیں۔

عقیدہ توحید اسلام کا راس المال اور متاع خاص ہے اور یہ امت مرحومہ ہر حیثیت سے دنیا و آخرت کی ساری عمارتیں توحید ہی کی اساس پر تعمیر کرتی ہے ہر فکر وعمل کی ابتداء بھی توحید ہے وسط بھی توحید ہے اور انتہا بھی توحید ہے تثنیت اور تثلیث کی گنجائش اسلامی فکر میں نہیں نکلتی، چنانچہ ذات الہٰی کی توحید، صفات الہٰی کی توحید، حقوق الہٰی کی توحید، انبیاء مرسلین کی توحید، کتب الہیہ کی توحید، بنی آدم کی توحید، جس کو فطری مساوات بھی کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایسے ہمہ گیر وحدت خیز مذہب کے متبعین اگر آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں اور گروہ بندی وتحزیب اختیار کریں تو یقیناً مقام حیرت ہے اور سمجھنا چاہیے کہ عقیدہ توحید کے اثرات ان کے ظاہری معاشرت ومعاملات میں سست پڑ گئے ہیں دل سے توحید کے فوارے ابل کر ظاہر کو سیراب نہیں کر رہے ہیں۔ کہنا تو ذرا مشکل ہے کہ ایسے لوگوں کے دل انوار توحید کی مرکزیت کھو چکے ہیں اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خشک سوتوں میں نمی نہیں رہی دلوں کا حال اللہ کو معلوم ہے پھر ظاہری کیفیات سے امراض باطنہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور مختلف جماعات وافراد کے باہم نزاع کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں توحید کے جلوے ماند پڑ گئے ہیں اور اسی بیماری کا اثر ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو جاتا ہے۔

تشخیص مرض اور اسکا علاج

مرض تو خلاف طبیعت غیر معتدل کیفیات کا نام ہے اور مسلمانوں میں یہ بے اعتدالی موجود ہے جس کی وجہ سے ہم پوری ملت کو مریض وبیمار کہہ سکتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس مرض عام وبائے عام کا علاج کیا ہے اور تمام ملت دوبارہ صحت وتوکیونکر حاصل کرسکتی ہے۔

تجویز علاج سے پیشتر اسباب مرض کی تحقیق وتفتیش ضروری ہے جب تک قومی بیماری کا سبب دریافت نہ ہو جائے ممکن ہے تریاق بھی زہر کا اثر پیدا کرے اور بیماری زیادہ الجھ جائے۔

مفکرین کی رائے

ملت اسلامیہ کی تباہی کا درد ہر مسلمان کو ہے۔علماء،صناع،سیاس اور عوام بھی اس غم میں مبتلا ہیں کہ اس قوم کا روگ معلوم کریں اور صحیح علاج سے اقوام عالم کے مقابلہ میں اس کو زیادہ صحت منداور قوی تر بنادیں۔مگر صدیوں تک مسلسل کوششوں کا نتیجہ یہی ہے کہ مرض بڑھتا جاتا ہے اور مریض کی صحت یابی دشوار تر ہوتی جاتی ہے۔

اسباب مرض کے متعلق لوگوں کی رائیں مختلف ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس قومی تباہی کی علت مسلمانوں کا عمومی افلاس وغربت ہے لیکن ہم اس رائے سے متفق نہیں کیونکہ مسلمانوں میں صرف غرباء ہی نہیں بستے ہیں بلکہ بڑے بڑے دولت مند بھی ہیں اور دنیا کی عام اقتصادی گردش کے مطابق ایک نیا شخص دولت مند بن کر ابھرتا ہے اور دوسرا گرتا ہے اور دنیا میں کسی قوم کے تمام افراد مالدار نہیں ہوتے ہر قوم امیر وغریب کے مجموعہ کا نام ہے مگر جو تباہی مسلمانوں میں نظر آتی ہے وہ اوروں کے یہاں اس بدبخت خیزی کے ساتھ نہیں ہے اس کے علاوہ قوموں کے عروج وزوال،صعود وہبوط اور ترقی وتنزل کی بنیاد سرمایہ دولت نہیں ہے خود اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ عہد رسالت اور اس کے قریبی زمانوں میں مسلمانوں کی جیبیں مال ودولت سے خالی تھیں اور جسے دنیا افلاس وفقر کہتی ہے مسلمان اس کے کامل نمونہ تھے پھر بھی ہمارے قومی عروج وارتقا کا وہی یادگار زمانہ ہے جس میں فقیر مسلمان دنیا کی تمام دولت مند اقوام پر غالب

آئے۔

اس لئے خود بے مائیگی کو ہم مسلم قوم کی تباہی کا سبب نہیں قرار دے سکتے بلکہ تجربات و واقعات کی روشنی میں فقر مسلمانوں کے عروج وترقی کا سبب ہے،بشرطیکہ اغنیاء اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت اور مسلمان بھائیوں کی اعانت میں خرچ کریں۔تو پھر جس طرح غیر مسلح،فاقہ کش قلیل التعداد مسلمان بدر میں اپنے مقابل مسلح،دولت منداور کثیر التعداد دشمنوں پر غالب آئے تھے آج بھی غالب رہیں گے اس لیے سرمایہ کی کمی وبیشی تباہی کی علت نہیں ہے نا کارہ دولت مندی بیماری کا اثر ہے۔

سیاسی ضعف

بعض مفکرین قومی تباہی کی علت اقتصادی بدحالی کے بجائے سیاسی بے تدبیری اور دور اندیشی کی کمی قرار دیتے ہیں اگر سیاست سے مراد صرف قومی بے تدبیری اور ملکی دوراندیشی کے علاوہ اس کے حدود خانہ داری سے لے کر انتظام مملکت تک وسیع ہیں تو یہی تو مسلمان قوم کی بیماری ہے اس کو بیماری کی علت کہنا درست نہیں اور اگر سیاست سے مراد صرف انتظام مملکت ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ روگ اصل میں انتظام مملکت کا لگا ہوا ہے اور مسلمان عوام اس خارجی تاثیر سے متاثر ہو کر تباہ ہیں اور یہ غلط ہے کیونکہ ان ملکوں میں جہاں مسلمان صرف رعایا کی حیثیت سے آباد ہیں اور حکومت غیر قوموں کی ہے اس قسم کے خیالات کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن جہاں حکومت وعوام دونوں دعویداران اسلام ہوں حکومت کی بدنظمی کو قومی تباہی کی علت قرار دینا بے معنی ہے کیونکہ حکومت اگر جمہوری اور شورائی ہے تو قومی تباہی کے مجرم عوام ہیں جو اپنی رائے ومرضی سے مفسدوں کے ہاتھوں میں عنان مملکت دے دیتے ہیں۔وہ پاگل مجرم نہیں ہے جو تلوار پاکر اپنی بے عقلی وجنون سے کسی کو قتل کردے بلکہ مجرم اصل میں وہ شخص ہے جو پاگل کے ہاتھ میں مہلک ہتھیار دے دے۔لہذا حکومت کی سیاسی وانتظامی بداعمالیاں عوام کی قومی بیماری کا نتیجہ ہیں۔

اور اگر حکومت شخصی وشہنشاہی ہے تو ایسی حکومت کا وجود ہی قومی تباہی کی یادگار ہے اور جب تک مسلم عوام اپنے انسانی حقوق فطری آزادی اور اسلامی مساوات کی پامالی پر راضی رہیں گے وہ اور تباہ ہوتے جائیں گے۔

بے ہنری وجہالت

کچھ اہل نظر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی قومی بیماری کی علت ان کی بے ہنری وجہالت ہے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سائنسدانوں اہل صنعت اور دیگر علوم متداولہ کے جاننے والوں کی سخت نایابی ہے مگر یہ بھی کوئی معقول علت مرض نہیں کیونکہ آج صدیوں کی مسلسل کوششوں کے بعد بھی اقوام عالم علم وہنر میں کوئی قابل رشک معیار قائم نہ کر سکی۔ کسی ترقی یافتہ ملک کا اوسط فیصدی معیار علمی ایسا نہیں جس کی کمی مسلمانوں کی قومی بیماری کا سبب کہلائے برخلاف یہود جو دنیا میں مجموعی اعتبار سے بہت دولت مند اور بڑے علم والے ہیں قومی لحاظ سے چنداں باعزت وباعظمت قوم نہیں جب سے یہودیوں پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگادی گئی اور ان کی اپنی مذہبی کتاب میں قومی تباہی کا ابدی اعلان کردیا گیا اور اس مضمون کو قرآن مجید نے ایک ترمیم کے ساتھ دہرایا ہے یہود قومی لحاظ سے باوقعت نہیں ہیں کتاب۔ یسعیاہ جو موجودہ یہودی بائبل کا بڑا اہم حصہ ہے یہودیوں کی ابدی پامالی کا اعلان کرتی ہے اور ان کی دائمی ذلت ومسکینی کی خبر رساں ہے قرآن حکیم نے بھی بنی اسرائیل کی اس ذلت ومسکنت کا بحوالہ کتب قدیمہ اعلان تو کردیا مگر ساتھ ہی یہ ایک ترمیم کا اپنی طرف سے اضافہ کیا کہ الا بحبل من الله وحبل من الناس۔ انبیائے سلف کی نافرمانی وقتل کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت ومسکنت مسلط کردی گئی اور اب ان کا قومی وجود خدا پرستوں یعنی مسلمانوں کے سہارے سے قائم ہوسکتا ہے یا دوسرے لوگوں کے سہارے اور مدد سے دنیا جانتی ہے کہ آج حکومت اسرائیل امریکہ وبرطانیہ کی رہین منت ہے اور ان مسلمانوں کی در پردہ اعانت ہے جو انگریز و امریکہ کی خوشنودی کے لئے اسرائیل کی طرف سے خاموش ہیں قرآن مجید کے اس ترمیم شدہ اعلان کے بعد آج تک اس چودہ سو سال میں اسرائیلی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی تھی اور اب تک بائبل کتاب۔ یسعیاہ کی قدیم پیشین گوئی ہی کا ظہور تھا اگر حکومت اسرائیل نہ ہوتی تو قرآن مجید کی ترمیم بے معنی ہوجاتی لہذا رب العزت نے قرآنی ترمیم کی صداقت دنیا کے سامنے ظاہر کردی۔ کلام اللہ کا یہ ایک اعجاز ہے جس میں اب دنیا کی کوئی کتاب شریک نہیں ہے اہل مغرب عیسائی اسلام ومسلمان سے ایک طرف تو سخت عداوت رکھتے ہیں مگر دوسری طرف قدرت الہیہ انہی کے ہاتھوں سے قرآن کی تصدیق کراتی ہے لا الــه الا الله محمد رسول الله۔

خیر بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی مسلمانوں میں علم وہنر کی کمی ان کی قومی بیماری کی کوئی معقول علت نہیں ہے نیز سوال یہ ہے کہ پچھلی چند صدیوں میں تو علم وہنر کے خزینہ دار یہی مسلمان تھے اور قومی روگ لگا تو یہ چیزیں ان سے علیحدہ ہوتی گئیں لہذا علم وہنر کی کمی مرض کی علت نہیں ہے بلکہ بیماری کی کیفیات ہیں۔

قائدین وعلماء کی نافرمانی

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومی بیماری کی وجہ قائدین، زعماء، لیڈروں اور رہنماؤں کی نافرمانی اور توہین ہے۔ یہ بات تو سخت مضحکہ خیز ہے اس قوم نے اپنے منہ کے پیچھے چلنے کی جو مثال قائم کی ہے اور قوموں کی زندگی میں مشکل سے نظر آئے گی۔ تحریک خلافت پر مسلمان فدا ہوگئے اور قائداعظم کی ایک آواز پر کچھ کم دس کروڑ انسانوں نے اپنی گردنیں جھکادیں۔ لہذا لیڈروں کی اطاعت میں تو مسلم قوم اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ہاں اگر یہ کہیئے کہ اس قوم کو صائب الرائے اور خیر خواہ لیڈر ہمیشہ نہیں ملتے تو بات معقول ہے مگر ایسا کیوں ہے وجہ ظاہر ہے قوم کی لیڈری ان کے اپنے افراد کے سپرد ہوتی ہے بیمار قوم میں پیدا ہونے والا لیڈر اس روگ کے آئندہ کے اثرات سے بالکل محفوظ کیونکر رہے گا قائداعظم کی خیر خواہی مسلم مگر اس کا کیا علاج کہ قیام پاکستان کے بعد اقتدار اعلیٰ کی کرسیوں پر ایسے لوگوں کو بٹھایا جو اپنے نظریات واعمال میں مسلم لیگ اور پاکستان کے مخالف اور برطانیہ کے حمایتی تھے یہ بڑی اندوہناک غلطی ہوئی جس کی وجہ مسلمانوں کی قومی بیماری ہے۔

ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی بیماری کا سبب مذہب سے اعراض وروگردانی ہے دنیا کی باطل پرست اقوام بھی اپنے مذہب واہل مذہب کا بہت احترام کرتی ہیں اپنی معاشرتی زندگی میں ہزار بدکار ہوں لیکن اہل مذہب کے سامنے ان کی گردنیں احترام میں جھکی رہتی ہیں انگلستان میں اگرچہ مذہب وسیاست کے حدود علیحدہ ہیں۔ لیکن آج بھی اگر آرچ بشپ اپنی صلیب لئے مذہب کے نام پر باہر نکل آئے تو لاکھوں سر فضا میں اڑنے لگیں۔ اور ایوان حکومت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے یہی حال پاپائے روم کا ہے مگر مسلمانوں میں علمائے دین کا کوئی مقام نہیں یہ اگر دین پر یا دینی عقیدہ پر قربان ہوجائیں تو قوم کوڑی تماشہ دیکھتی ہے۔

مثال کے لئے ایڈورڈ ہشتم اور ڈیوک آف ونڈسر کا واقعہ لوگوں کے ذہن میں ہنوز تازہ ہے آرچ بشپ نے شہنشاہ برطانیہ کو مسز سمپسن سے عہد مناکحت کی اجازت نہیں دی تو فرمانروائے برطانیہ کو حقوق حکمرانی سے محروم ہونا پڑا اس کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں جن میں آرچ بشپ کا فیصلہ اہل اقتدار اور فرمانروائے انگلستان کی اپنی رایوں پر غالب رہا۔

علمائے دین کی اہانت کی گرم بازاری کیوں ہے اگر اس کی وجہ علماء کا افلاس ہے تو یہ بڑی نامعقول بات ہے کیونکہ اسلام میں کرامت وذلت کی بنا مالداری وافلاس تو ہے نہیں دوسرے پورے سو اسلام کو مٹانے کے لئے جو مختلف تدبیریں اختیار کیں ان میں علوم دینیہ کو بے سہارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا اور علماء دین کو فاقہ کش بنانا بھی تھا لیکن دین حق کو برقرار رکھنے میں عیسائی کیادیاں ناکام رہیں اور حق پرست گروہ تمام آفات و مصائب کو جھیلتا ہوا علوم نبویہ (علی صاحبہا علیہ الصلوۃ والسلام) ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچاتا رہا سوال یہ ہے کہ اب تو عیسائی چلے گئے مگر علوم دین و علمائے دین پر راہ معیشت کیوں بند ہے اور ان پر افلاس کیوں مسلط ہے ان پر معاشرت اور دفاتر حکومت کے دروازے کیوں نہیں کھولے جاتے نہ اہل اقتدار کو اس کا خیال ہے اور نہ مسلمان قوم کو کوئی فکر، یہ کیفیت بھی اسی قومی بیماری کی ہے جس میں مسلمان قوم بحیثیت مجموعی مبتلا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان عوام ناواقف ہیں اس لئے علوم دینیہ اور علمائے دین کی اہمیت نہیں سمجھتے تو یہ بالکل غلط ہے مسلمان عوام اسلام کے متعلق اتنا کچھ جانتے ہیں جو باطل پرست قوموں کے عوام نہیں جانتے بلکہ ان کے غیر مذہبی علم رکھنے والے گریجویٹ اور پی ایچ ڈی بھی اپنے مذہب سے ناواقف ہیں ایشیائی عیسائیوں کو جانے دیجئے بارہا یورپین عیسائیوں سے بھی سابقہ پڑا ہے۔

آپ ایک بات اور یاد رکھیے کہ آج اسلامی تصانیف رسائل مضامین کی اشاعت اور علماء و واعظین کی تقاریر کی جس قدر کثرت ہے پچھلے دنوں یہ کثرت نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود مذہب سے بیگانگی اور لاپروائی جس شدت سے آج دیکھی جارہی ہے وہ گذشتہ ادوار میں نہیں تھی۔

غرض اس سلسلہ میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے وہ سب بیماری کے اثرات ہیں بیماری کے اسباب نہیں ہیں اور جب تک علت کی دریافت کے بعد معالجہ نہ ہو تباہی مسلط رہے گی۔

بیماری اور اسکا علاج

آپ سوال کریں گے کہ علت مرض اور اس کا علاج کیا ہے بفضلہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کی قومی بیماری کے اسباب و معالجہ سے واقف ہیں لیکن محض تفریح طبع یا علمی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لایعنی اور فضول ہے اعلیٰ ترین و مجرب نسخے بھی دفع مرض کے لئے بیکار ہیں اگر مریض خود دفع مرض کا آرزومند نہ علاج سے دلچسپی اور نسخہ کے استعمال کی لگن نہ ہو واقعی اگر مسلمان قوم جماعتی لحاظ سے علاج کی طلبگار ہو اور ہمیں اس کا یقین آجائے تو ہم علت مرض اور نسخہ بتا دینے کے لئے تیار ہیں جس سے صحت ضرور حاصل ہو گی۔

مگر اس معالجہ اور اعلان علاج سے پہلے حقیقی طلب معلوم کرنے کی شرط ہے کہ لوگ اپنے اپنے حلقے میں صحیح قومی و اسلامی شعور پیدا کریں۔ مثلاً تجارت پیشہ حضرات کی مختلف تجارتی [illegible]

ان کے کاروبار میں رہنما اور معاون ہوتی ہیں وہ لوگ اسی کے ساتھ ایک ایسی انجمن بھی بنالیں جو قومی و اسلامی بنیاد پر ان کے کاروبار کی نگراں ہو، لوٹ کھسوٹ، چور بازاری ملاوٹ اور احتکار ان (Hoarding) سے کوئی بڑے سے بڑا سرمایہ دار کیوں نہ بن جائے جب قومی بیماری بڑھ کر فتنہ کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو داخلی شورش یا خارجی دباؤ آگ بن کر سرمایہ اور سرمایہ داری کو خاکستر بنادیتی ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔

اسی طرح دفتروں کے ملازمین اور چپراسیوں کی جماعت اپنی جداگانہ انجمنیں بنائے ہوئے ہیں تاکہ اپنے حقوق کی حفاظت کرسکیں اگر ان انجمنوں کے ساتھ وہ لوگ ایک ایسی سوسائٹی بھی قائم کرلیں جو تمام اہل پیشہ کے اندر قومی شعور اور اسلامی احساس پیدا کرے تو اس کے اثرات خود ان کے اپنے حق میں مفید و باعث ترقی ہوں گے رشوت ستانی، سستی، کام چوری، افسروں کی شکایت، ماتحتوں کی تذلیل منافرت پیدا کرتی ہے اور ماحول کو بگاڑ دیتی ہے۔

عمال حکومت و اہل اقتدار کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے یہ لوگ تو ہماری بیماری کے نچوڑ ہیں ان کا معالجہ بعد میں ممکن ہوگا۔ علمائے دین بہت بدنام ہو چکے باہمی آویزش نے ان کو اور بھی گرادیا جو لوگ علماء کی بے قدری کی وجہ ان کے باہمی نزاعات قرار دیتے ہیں وہ سراسر غلطی میں مبتلا ہیں یورپ کی تاریخ اور کلیسا کے واقعات کو یاد کیجئے کہ عیسائیوں کی مذہبی گروہ بندیوں نے کیا کیا ظلم توڑے اور کس کس طرح انسانیت کا گلا گھونٹنا چاہا۔ علمائے اسلام کے جھگڑوں میں ایسی تباہیوں کا اثر عشر عشیر بھی نہیں ہے مگر نادانی تو دیکھئے کہ بعض مسلمان جنہیں اپنی مغربی تعلیم پر ناز ہے عیسائی گروہ بندیوں اور اہل مذہب کے مظالم کو اسلام اور علمائے اسلام پر چپکا دیتے ہیں اس کی وجہ قومی بیماری ہے۔

لہٰذا ہم علمائے دین سے مودبانہ عرض کرتے ہیں کہ ایسی تمام باتیں جن کا تعلق قرآن و سنت کی ظاہری نصوص سے نہیں ہے مدار تکفیر و تفسیق قرار نہ دیں اور مباحات کے متعلق افراد امت کو آزاد چھوڑ دیں تاکہ ہر شخص اپنی صوابدید اور پسند سے جو روش چاہے اختیار کرے۔

اہل سنت کے عقائد جو پچھلے مسلمہ کتابوں میں درج ہیں۔ جن کو ہر فریق دل سے قبول کرتا ہے آج بھی صرف انہیں پر اکتفا کیا جائے۔ ان کے خلاف کسی چیز کو ماننے اور قبول کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ مسلمان اہل سنت ہی حقیقی معیار ہدایت ہیں۔

متکلمین و علماء کی ادھر ادھر کی تحریروں کو ان کی اپنی ذمہ داری کے سپرد کردیا جائے اس طرح مختلف [illegible] ممکن ہوگا اور تمام علماء مل کر اسلام کی کشتی کو تباہی کے بھنور سے نکال سکیں گے خدمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کا جذبہ پیدا کریں اور جماعت سازی سے تائب ہوں لیڈروں سے گذارش ہے کہ قیادت کا بوجھ اٹھانے اور اسمبلی کی رکنیت اختیار کرنے کے بدلے عوام میں سیاسی شعور پیدا کریں۔

طلبہ کی انجمنیں ہیں یہ ان انجمنوں کے ساتھ ایک ایسا ادارہ بھی بنالیں جس کے ذریعہ سے وہ اپنے نظریات و اعمال کو قومی و اسلامی سانچے میں ڈھال سکیں تو یہ طریقہ کار نہ صرف ان کی اپنی موجودہ زندگی کے لئے کارآمد ہے بلکہ قوم کی آئندہ تشکیل میں بھی مفید کارآمد، یہ لوگ عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی درستی سے آئندہ نسل درست ہو سکے گی۔

اسکول و کالج کے اساتذہ کی بھی انجمنیں ہیں اگر ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد میں یہ ایک دفعہ بڑھالیں جس کی رو سے ان کی نظری و علمی اصلاح، قومی و اسلامی اساس پر ہو تو بحیثیت مجموعی قومی بیماری کا علاج آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی لوگ اپنے قومی چاک پر تعلیم یافتہ دماغ گھڑتے ہیں۔

اصلاح نظر

جس طرح انفرادی زندگی اور اس کی تزئین و آرائش کے لئے تین امور بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۔ذاتی صلاحیت ۲۔بہتر ماحول ۳۔مناسب سعی

اسی طرح قومی اصلاح و برتری کے لئے بھی تین چیزیں بنیادی ہیں۔

۱۔قومی شعور ۲۔جماعتی خیر خواہی ۳۔مشترک کوشش

مذکورہ باتوں میں سے جو چیزیں جس حد تک ناقص یا ناپید ہوں گی قومی عروج کی منزل اسی تناسب و معیار سے دور ہوتی جائے گی۔

بد قسمتی سے مسلمان قومیت کے ان تینوں ترکیبی عناصر سے محروم ہیں نہ ان میں صحیح قومی شعور ہے نہ جماعتی خیر خواہی کی کوئی علامت نظر آتی ہے اور نہ مشترک کوشش کا نشان ہے۔ حالات کا غائر مطالعہ اور موجودہ مسلمانوں کی نفسیاتی تحلیل سے ظاہر ہے کہ ان کا خیال و مطمح نظر یکسر بدلا ہوا ہے جب تک اس غلط نظری کی اصلاح نہ ہوگی اس قوم کی دوبارہ اپنے مرکز کی طرف مراجعت ناممکن ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان پیدائش سے موت تک اسلام کے ظاہری ہدایات پر عمل کرتے ہیں جہاں جاتے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے متعدد مسجدیں تعمیر ہو جاتی ہیں پنجگانہ نماز میں نمازیوں کی خاصی تعداد جمع ہوتی ہے رمضان میں روزہ داروں کی بھی معقول تعداد ہے مالدار زکوٰۃ و صدقات بھی ادا کرتے ہیں مدارس و مکاتب کی بنیادیں بھی پڑ جاتی ہیں۔ تجارت پیشہ حضرات صنعت و تجارت کے میدان میں دوڑ

لگاتے ہیں دفاتر حکومت میں بھی کچھ نہ کچھ دیانتدار افراد پائے جاتے ہیں۔ پارلیمان اور کابینہ میں بھی غدار و خود غرض نہیں ہوتے مگر کیا وجہ ہے کہ قوم بروں کے مآل کار سے برابر متاثر ہوتی جاتی ہے اور نیکو کاروں کے اثرات نتیجہ خیز نہیں ہوتے صالحین کے طفیل میں بدکاروں کی اصلاح کیا ہوتی یہاں تو ہر شعبہ زندگی و میدان عمل میں بدی کا غلبہ ہے۔

تبدیلی نظر

اسی نفسیاتی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ جب اللہ بزرگ و برتر کسی قوم کو برباد کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے ان کی عقل بے کار کر دی جاتی ہے چنانچہ قدیم و جدید اقوام کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ ملت کا سفر زوال بے عقلی کے نقطہ سے شروع ہوتا ہے یعنی زوال پذیر قوم نہ تو کسی آسمانی، زمینی یا موسمی آفت سے اچانک مفلس و قلاش ہو جاتی ہے نہ اس کے تمام رجال کار سیاسی، علماء، اصناع، جنرل وغیرہ کسی وبائی مرض سے ایک ساتھ مر جاتے ہیں۔

بلکہ انسانی خصوصیات و صلاحیتیں افراد میں جداگانہ طور پر علی حالہ قائم و برقرار رہتی ہیں۔ علم و عمل کے ہر شعبہ میں تباہ شدہ قوم کے لوگ اعلیٰ و متوسط معیار پر مشغول نظر آتے ہیں فرق یہ ہوتا ہے کہ افراد قوم کی صلاحیتیں جو پیشتر اپنی ہی قوم کی تعمیر میں صرف ہوتی تھیں وہ اب کسی اور غالب قوم کے تفوق و برتری کا ذریعہ بن جاتی ہیں مثلاً برطانوی دور اقتدار میں ہندوستان ہمیشہ اچھے صنعت کار و صاحب قلم پیدا کرتا رہا اور مایہ ناز فوج بھی مہیا کرتا رہا مگر ہر کامیابی کا انجام تاج برطانیہ میں چند اور لعل و جواہر کا اضافہ تھا اور برطانوی قوم کی دولت و سرمایہ کی افزونی تھی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے

اس تباہی کی وجہ صرف ایک ہے ساری ملت کا نقطہ نظر انفرادی و اجتماعی لحاظ سے بالکل بدل جاتا ہے خیر و شر اور نفع و نقصان میں تمیز باقی نہیں رہتی ان کی عقلیں اس حد تک ماؤف ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے کسی عمل کا مآل کار نہیں دیکھ سکتے۔ جس طرح ایک جانور کی نگاہ چراگاہ میں ایک محدود فاصلہ تک کام کرتی ہے ماضی کے واقعات اور مستقبل کے نتائج بہائم کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور دونوں کے درمیان کوئی ربط و سلسلہ نظر نہیں آتا یہی حال کسی زوال پذیر ملت کا ہوتا ہے وہ ماضی سے ناآشنا مستقبل سے غافل ہو کر بتدریج قومی شعور و احساس سے نابلد ہو جاتی ہے۔

کیا عقل کا ناکارہ پن اور نظر کی کوتاہی بے سبب عذاب الٰہی ہے جو محض اظہار اقتدار کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی قوم پر مسلط ہوتا ہے قرآن اس کا جواب نفی میں دیتا ہے اور انسانیت کی تاریخ بھی اعلان خداوندی کی تصدیق کرتی ہے۔

قوم جب خود اپنی حالت بدلنا شروع کرتی ہے تو فطرت کا سلوک بھی انہیں تغیرات کے مطابق ہوتا ہے گری ہوئی ملت ترقی کی طرف قدم بڑھائے تو فطرت دستگیری کرتی ہے اور کوئی ترقی یافتہ قوم بلندی سے اترنا چاہے تو فطرت اس کا راہ نہیں روکے گی مگر قومی بیماری، نقطہ نظر کا تغیر اور عقل کی ناکارگی کی ابتداء قوم کے بلند نشین طبقے سے شروع ہوتی ہے۔

اہل اقتدار اگر قومی امانت یعنی حکومت کو ذاتی، موروثی ملکیت بنانا چاہیں علماء پندار و برتری میں مشغول ہوں سرمایہ دار طبقہ عوام کی طرف سے آنکھیں پھیر لے تو پھر وہ نگاہ جس کی وسعت پوری ملت کو محیط تھی رفتہ رفتہ اپنے گرد و پیش میں محصور ہو جاتی ہے اور یہی وہ منزل ہے جہاں انسانی نگاہ حیوانی نظر کے سانچے میں ڈھل کر حیوانیت اختیار کر لیتی ہے اور جانوروں کی طرح اس انسانی معاشرہ کو دوسرے لوگ اپنی خدمت گذاری کے لئے مملوک و غلام بنا لیتے ہیں۔

تکبر و خود غرضی

الغرض کسی ترقی یافتہ ملت کی تباہی کے لئے مہلک جراثیم صرف دو ہیں۔ ایک باہمی تکبر دوسرے خود غرضی۔ جب کسی قوم کے بالا نشین افراد کے دل ذاتی غرض اور ذاتی برتری یعنی تکبر سے پاک رہتے ہیں۔ اور ہر شخص ناپائیدار و عارضی مراتب کے فرق سے قطع نظر ہو کر ملت کے دوسرے تمام افراد کے برابر اپنے آپ کو سمجھتا رہے گا اور تمام ابنائے قوم کے دوش بدوش قومی ذمہ داریاں سنبھالے گا برتری و کمتری کے تصورات مٹا کر صحیح مساوات اختیار کرے گا ممکن نہیں ہے کہ اس کی قوم پست و ذلیل ہو سکے اور جس تناسب سے خود غرضی و تکبر کے جراثیم پیدا ہوں گے اسی معیار سے قومی پستی و ترقی کا اندازہ ہوتا جائے گا۔

چنانچہ آج بھی ماشاء اللہ نمازیوں کی ظاہری تعداد خوش کن ہے دنیا کی دوسری قوموں کے لوگوں کے مقابلہ میں مسلمان عبادت گذار پھر بھی زیادہ ہیں مگر نماز کی دینی غرض کا حال تو خدا کو معلوم ہے جہاں تک ظاہری اثرات کا تعلق ہے پنجگانہ اجتماع کے بعد بھی ان میں باہم اخوت و مساوات اور قومی یگانگت مفقود ہے طبقاتی اختلاف کا انداز نمایاں ہے برتری و کمتری، تکبر و تحقیر کی بیماری صاف دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر طبقہ کے تمام افراد اپنی ذاتی غرض اور ذاتی برتری کے لئے کوشاں ہیں تجارت و صنعت والے جائز و ناجائز ذرائع سے زیادہ سے زیادہ دولت کی دھن میں لگے ہوئے ہیں، کیوں کہ دولت کی فراوانی ہی

دراصل ان کی بڑائی اور کرامت کا ذریعہ ہے اگر دولت نہ ہو تو تکمیل غرض اور تکبر کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تجارت پیشہ افراد کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ان کے حرص مال سے قومی تباہی پیدا ہو رہی ہے دولت کی گردش رکی ہے عوام بھوکوں مرتے ہیں غذائیات کی آمیزش مضر صحت اور جان لیوا ہے مسجدوں کی تعمیر میں للّٰہیت تو کیا ہوگی نخوت و خود غرضی کی اینٹیں مسجدوں کی بنیادوں میں رکھی ہوئی ہیں، مدارس دینیہ کے قیام کی غرض مذہبی دکانداری سے زیادہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ بانیان مدارس عموماً حقوق تولیت اپنی ذات اور ورثا میں محدود رکھتے ہیں اور وہ علوم و فنون جن سے خود نا آشنا ہیں اور سارے معاشرے کو ان کی ضرورت ہے اپنے مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل نہیں کرتے کیونکہ مستقبل میں حقوق تولیت کو خطرہ معلوم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ و صدقات سے مالداروں کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ پس انداز دولت دراصل عوام کا حصہ ہے جو معاملہ کے الٹ پھیر سے ان کے پاس آ گئی ہے لہٰذا زکوٰۃ و صدقہ کے ذریعہ حق بحقدار رسید پر عمل کر رہے ہیں بلکہ اس دینی و معاشرتی عمل کا مقصد بھی اپنی برتری کا احساس و اظہار ہوتا ہے۔

تبدیلی نگاہ کا نتیجہ

جب کسی قوم و افراد قوم کا مطمح نظر بدل جاتا ہے اور جداگانہ طور پر ہر شخص کو خود غرضی و ذاتی برتری کا گھن لگ جائے تو پھر اس کی نگاہ میں اپنا دور عروج بھی نشان پستی نظر آتا ہے عقل کھونے اور نظر بدلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو قومی ترقی کے زمانہ میں ابنائے ملت کا سرمایہ افتخار تھی ذلیل و حقیر دکھائی دیتی ہے اور ان میں سے ہر بات کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور برائت ظاہر کی جاتی ہے۔

اپنے معلم تمدن، برطانیہ ہی کے رسم و رواج پر ایک نگاہ ڈالیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ تاج پوشی اور انتخاب صدر کے معاملات میں کیا کیا رسمیں ادا ہوتی ہیں مگر کسی ترقی یافتہ انگریز نے آج تک ان مراسم کا استخفاف اور توہین نہیں کی۔

چرچ سے سیاست الگ ہے مگر عوام و خواص کوئی بھی چرچ یا اس کی ہدایات کا مذاق نہیں اڑاتا ۔ یہ اس لئے ہے کہ غیر قوموں میں شعور باقی ہے لیکن مسلمانوں کا نقطہ نظر بدلا ہوا ہے اپنی ہر بات بری معلوم ہوتی ہے اور غیروں کی نفسیات تک ان کی نگاہ کی رسائی نہیں۔

قومی ترقی کے لئے سب سے پہلے مسلمانوں کو اپنا نقطہ نظر بدلنا ہوگا۔ خود غرضی تکبر کے بدلے قومی مفاد و ملی مساوات کا دم بھرنا ہوگا اور اپنی ہر چیز کی توقیر کرنی ہوگی جو کچھ چیزیں دور ترقی کی یادگار کے طور پر وراثتاً ملی ہیں ان سے محبت کرنا ہوگی پھر وہ منزل نظر آئے گی جس کی طرف پیش قدمی کا نام ترقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عید کا تاریخی پس منظر، عظمت اور فلسفہ

مفتی منیب الرحمٰن
چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومتِ پاکستان)

روح کی لطافت، قلب کے تزکیہ، بدن ولباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ بصد عجز وانکسار وبعایت خشوع خضوع تمام مسلمانوں کا اسلامی اتحاد واخوت کے جذبے سے سرشار ہوکر رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانہ شکر بجالانے کا نام عید ہے۔

لفظ عید کے معنی اور وجہ تسمیہ

عید کا لفظ عود سے ماخوذ ہے جس کے معنی لوٹنا ہے۔ چونکہ یہ دن مسلمانوں پر بار بار لوٹ کر آتا ہے، اس لئے اس کو عید کہتے ہیں (بحوالہ لسان العرب مصنف علامہ ابن منظور افریقی) ابن العربی نے کہا کہ عید کو "عید" اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دن ہر سال مسرت کے ایک نئے تصور کے ساتھ لوٹ کر آتا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مسرت اور خوشی کے دن کو عید، نیک شگون کے طور پر کہا جاتا ہے تا کہ یہ دن ہماری زندگی میں بار بار لوٹ کر آئے، جس طرح "قافلہ" کے معنی ہیں "لوٹ کر آنے والا" اہل عرب قافلہ کو بھی نیک شگون کے طور پر قافلہ کہتے ہیں۔ گویا اس کے پیچھے یہ آرزو اور تمنا کارفرما ہوتی ہے کہ جس مقصد کے لئے جا رہا ہے اس میں کامیاب وکامران ہوکر عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر واپس آجائے۔ چونکہ رب تبارک وتعالیٰ اس دن اپنے مقبول اور عبادت گزار بندوں پر اپنی ان گنت نعمتیں اور برکتیں لوٹاتا ہے اس لئے اسے عید کہتے ہیں۔

عید، انسانی فطرت کا تقاضہ

سال میں چند ایام جشن، تہوار اور عید کے طور پر دنیا کی تمام اقوام وملل اور مذاہب میں منائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم، مذہب وملت کے لوگ اپنے ایام عید کو اپنے اپنے عقائد، تصورات، روایات اور ثقافتی اقدار کے مطابق مناتے ہیں، لیکن اس سے یہ حقیقت ضرور واضح ہوتی ہے کہ تصور عید انسانی فطرت کا تقاضہ اور انسانیت کی ایک قدر مشترک ہے۔ مسلمان قوم چونکہ اپنی فطرت، عقائد ونظریات اور ملی اقدار کے لحاظ سے دنیا کی تمام اقوام سے منفرد وممتاز ہے۔ اس لئے اس کا عید منانے کا انداز بھی سب سے نرالا ہے، بقول علامہ اقبالؒ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور اقوام کی عید محافل ناؤنوش ورقص وسرود بپا کرنے، دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھوجانے، مادر پدر آزاد ہوکر بدمستیوں میں ڈوب جانے، تمام اخلاقی اقدار کو تج دینے، نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کو فروغ دینے اور "آج یا پھر کبھی نہیں" کے مصداق ہوس نفس کا اسیر بن جانے کا نام ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں روح کی لطافت، قلب کے تزکیے، بدن ولباس کی طہارت اور مجموعی شخصیت کی نفاست کے ساتھ بصد عجز وانکسار خشوع وخضوع تمام مسلمانوں کے اسلامی اتحاد واخوت کے جذبے سے سرشار ہوکر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ بندگی اور نذرانہ شکر بجالانے کا نام عید ہے۔

قرآن مجید میں ذکر عید

قرآن مجید میں سورۂ مائدہ آیت: ۱۱۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعاء کے حوالے سے عید کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال عیسی ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مآئدہ من السمآ تکون لنا عید الاولنا وا خرنا وایۃ منک ج وارزقنا وانت خیر الرازقین۔

"عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار دے (اور اس طرح اس کے اترنے کا دن) ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں، پچھلوں کے لئے (بطور) عید (یادگار) قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے اگلی آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

قال اللہ انی منزلھا علیکم ج فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العلمین (المائدہ:۱۱۵)

''اللہ نے فرمایا کہ میں یہ (خوان) تم پر اتار دیتا ہوں مگر اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو سارے جہانوں میں اور کسی کو نہ دیا ہو''

رہا یہ سوال کہ دعائے عیسیٰ علیہ السلام کے نتیجے میں ان کی قوم پر یہ خوان اترا یا نہیں، قرآن نے اس سلسلے میں سکوت اختیار فرمایا ہے، البتہ تفاسیر میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ ہمارے زیر بحث موضوع سے جو بات متعلق ہے وہ یہ ہے کسی قوم کے مسرت کے دن کا قرآن نے عید کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور جو دن کسی قوم کے لئے اللہ کی کسی خصوصی نعمت کے نزول کا دن ہو وہ اس دن کو اپنا یوم عید کہہ سکتی ہے۔

عید میلاد مصطفیٰ ﷺ کا ثبوت ایک لطیف پیرائے میں

مفسر قرآن مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے قرآن مجید کے اپنے تفسیری حاشیے ''خزائن العرفان'' میں اس مقام پر ایک لطیف نکتہ آفرینی کی ہے۔ وہ یہ کہ جب اللہ کی خصوصی نعمت کے نزول کا دن عید قرار پاسکتا ہے اور قرآن ایک طرح سے اس کی توثیق کر رہا ہے تو اگر امت محمد ﷺ اللہ کی نعمت عظمیٰ محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو ایک عید کے طور پر منائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔

اسلام میں عید کا آغاز

خالص اسلامی فکر اور دینی مزاج کے مطابق اسلامی تمدن، معاشرت اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں عیدین کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کا تذکرہ سنن ابی داؤد کی مندرجہ ذیل حدیث میں ملتا ہے۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ دو دن بطور تہوار منایا کرتے تھے جن میں وہ کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا ''یہ دو دن جو تم مناتے ہو'' ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ (یعنی ان تہواروں کی اصلیت اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم عہد جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ

تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں، یوم (عید) الاضحیٰ اور یوم (عید) الفطر''۔

عید کے ایام کو مقرر کرنے کی حکمت

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیوں نہیں کر دیا کہ نوروز اور مہرجان کے انہی تہواروں کی اصلاح فرما دیتے اور ان میں جو رسوم شرعی اعتبار سے منکرات کے زمرے میں آسکتی تھیں، ان کی ممانعت فرما دیتے اور اظہار مسرت کی جو جائز صورتیں تھیں وہ اختیار کرنے کی اجازت دے دیتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ کی حکمت کارفرما تھی۔ دراصل ہر چیز کا ایک مزاج اور پس منظر ہوتا ہے۔ آپ لاکھ کوشش کریں کسی چیز کو اس کے تخلیقی مزاج اور تاریخی پس منظر سے جدا نہیں کر سکتے، لہٰذا جس چیز کی اساس کسی شر پر رکھی گئی ہو اس کی کانٹ چھانٹ اور بناؤ سنگھار سے کوئی خیر پر مبنی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اور اسلام تو آیا ہی اس لئے ہے کہ کفر اور بدی کے اثرات کو مٹایا جائے۔ معلوم ہوا کہ اسلامی معتقدات اور خالص دینی فکر اور شرعی مزاج کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا تعلق تمام جاہلی رسوم اور کافرانہ شعائر سے یکسر ختم کر دیا جائے تاکہ عہد جاہلیت کی تمام علامات سے کٹ کر ان میں صحیح دینی فکر پیدا ہو سکے۔

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اس نے جہاں اپنے ماننے والوں کو لادینی نظریات سے محفوظ رکھا وہاں ان کے صحیح جبلی اور فطری تقاضوں کی آبیاری بھی کی، عید منانا انسانی فطرت کا تقاضہ تھا لہٰذا مسلمانوں کو ایک کی بجائے عیدین کی دوہری نعمت عطا فرمائی۔

یوم عید کے مستحبات

عید کے دن یہ امور مستحب ہیں: حجامت بنوانا، ناخن تراشنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، اچھے صاف ستھرے یا دستیاب ہوں تو نئے کپڑے پہننا، صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر عیدگاہ چلے جانا۔

عیدگاہ جاتے وقت راستہ تبدیل کرنا

سنت یہ ہے کہ جس راستے سے عیدگاہ جائے، نماز پڑھ کر اس راستے کے بجائے دوسرے راستے سے گھر واپس جائے۔ بخاری شریف میں حدیث ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن نبی اکرم ﷺ (عیدگاہ آتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے میں راستہ تبدیل کرتے تھے"۔

اس کی متعدد حکمتیں ہوسکتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: دونوں راستے نمازی کی عبادت اور ذکر پر گواہی دیں، دونوں راستوں پر اسلامی شعار کا اظہار ہو اور دونوں راستوں پر بے نمازیوں اور اللہ کی عبادت سے غافل رہنے والوں کو اپنے عمل سے یاد خدا کی طرف مائل کیا جائے۔

ون وے ٹریفک کا نظریہ

اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک راستے سے جانے اور دوسرے راستے سے واپس آنے سے آنے جانے والوں کے لئے سہولت ہو، اژدہام اور بھیڑ میں کمی واقع ہو اور گزرگاہ تنگ نہ ہو۔ ہم بجا طور پر دنیا والوں کے سامنے یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جدید تمدن، معاشرت اور شہری زندگی کے مسائل کو اپنی تعلیمات کے ذریعے نہایت سہل انداز میں حل فرمایا ہے اور یہ کہ One Way Traffic کے اصولوں کے بانی ہمارے پیارے نبی ﷺ ہیں۔

عید نہ منانا

قوموں کی زندگی میں المیے، حوادث اور مصائب پیش آتے رہتے ہیں اور بدقسمتی سے گزشتہ برسوں سے اس طرح کے المناک واقعات ہماری روزمرہ زندگی کا ایک معمول بن چکے ہیں۔ ایسے حوادث کے پیش نظر اکثر اوقات بعض افراد یا حلقوں کی جانب سے یہ سننے میں آتا ہے کہ اس سال ہم عید نہیں منائیں گے۔ اس طرح کے بیانات کے پیچھے یقیناً نیک نیتی، حب الوطنی، اخوت اسلامی اور انسانیت دوستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عید نہ منانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کوئی جشن یا تہوار تو ہے نہیں، یہ تو عبادت اور سنت مصطفیٰ ﷺ ہے، اخوت اسلامی اور اتحاد امت کا مظاہرہ ہے، جمعیت قوم مسلم کا ایک حسین منظر ہے، اللہ کی بارگاہ میں دوگانہ نماز عید کی ادائیگی کا نام ہے۔ شرافت، متانت اور نفاست ایسی انسانی خصوصیات کا مظہر ہے ان میں سے کوئی چیز اور کوئی بات ایسی نہیں جو عسر و یسر اور رنج و راحت ہر حال میں منائے جانے کے قابل نہ ہو۔ باقی رہا لہو و لعب میں مشغولیت، رقص و سرود کی محافل برپا کرنا، ناؤ نوش اور محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور ہوس نفس کی تسکین کے سامان بہم پہنچانا، یہ ایسے امور ہیں جن کا اسلامی تصور عید سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو ایک مسلمان کو نہ صرف عید کے مقدس موقع پر بلکہ زندگی کے ماہ و سال کے ہر لحظہ و لمحہ میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے چاہئیں بلکہ ان محرمات و منکرات شرعیہ کو چھوڑنا ہی ایک مومن کامل کی حقیقی عید ہے اور ایسی عید اللہ تعالیٰ ہر بندۂ مومن کو نصیب فرمائے۔

Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

"الرسول النبی الاُمّی" کا معنیٰ مُرادی

محمد عارف خان ساقی

استاذ شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

نحمدہ ونصلی ونسلم علی الرسول النبی الامی وآلہ واصحابہ وأمتہ اجمعین۔

قرآن مجید میں حضور رسالتمآب ﷺ کی ایک صفت "الرسول النبی الامّی" بیان ہوئی ہے۔ جس انداز سے قرآن حکیم نے آپ ﷺ کیلئے یہ کلمہ استعمال کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ امی ہونا آپ ﷺ کا وہ امتیازی وصف ہے جس سے بنی اسرائیل کے انبیاء کرام اور رسولان عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف نہیں ہوئے۔ اس معاملے میں اب تک ہمارے علماء کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کے لئے الرسول النبی الامی کے کلمات کو ایک امتیازی وصف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے تو یہاں "امی" سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ اس سلسلے میں علماء کے متعدد اور مختلف اقوال ہیں۔

یوں تو انبیاء کرام کو ان کے حالات و زمانہ اور معروضی ضرورتوں کے تحت فضائل و معجزات سے سرفراز فرمایا گیا اور یکسانی و مساوات کہیں نہیں پائی جاتی۔ ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں اور ہر کسی کے اپنے امتیازات۔ مگر آپ ﷺ کا امی ہونا محض ایک امتیازی وصف ہی نہیں بلکہ نبی موعود کی شناخت و پہچان کی ایک علامتِ خاص بھی ہے۔ ایک ایسی علامت جس کے فہم پر نبی موعود کی پہچان اور شناخت موقوف ہے۔ علامت اور نشان کے درست تعیین اور فہم کامل کے بغیر مقصود تک رسائی چونکہ ممکن نہیں ہوتی اس لیے اس کے فہم صحیح کا حصول اور درست تعیین بادی النظر میں ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ چہ جائیکہ احتمالات

© rasailojaraid.com